ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

برصغیر میں اصلاح پسندوں کے اختلافی و نزاعی رجحانات ونظریات کاآغاز و ارتقا: علت و معلول کے تناظر میں خصوصی مطالعہ

احمد علی[1]
ڈاکٹر خلیل احمد[2]
ما جدرشید[3]

ABSTRACT:

In the beginning of the eighth century A.D. the Arabs conquered the Northwestern parts of India under Mohammad bin Qasim. Here too the early Arab character grounded in Islamic faith influenced many indigenous people to embrace the new faith. However in the years following the political turmoil's in the central Caliphate disrupted this process and with the fall of the Umayyad's Sindh became almost independent. The following centuries witnessed turbulent changes in the ruling class and the continued political disturbance sapped the Muslim society of its earlier Islamic integrity. Consequently there were instances of many converts returning to their original faith. This research belongs to those conflicting trends and ideas which started in the Mughal period. These trends had changed the thoughts of erudite completely. This paper also highlights the gap between Sharia and Tareqat.

Keywords: Maqulat, Manqulat, Reformist Trends, Wahdat-ul-Wajood, Wahdat-ul-Shahood

تعارف:

شہنشاہ اکبر کے دور میں علمائے کرام کے طرز عمل میں ایک ایسی واضح تبدیلی نظر آئی جس نے اسلام دشمن خیالات کو متعارف کرایا۔ وہ صوفی افکارجونظریہ وحدت الوجود کے تحت فکری زندگی پر حاوی تھے انہیں شیخ احمد سرہندی نے تقریبا ہلاکر رکھ دیاتھا۔ اور یقینی طور پریہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نےوحدت الشہود کو متعارف کروا کر ہندوستان میں اصلاحی تحریک کا آغازکیا کیونکہ عام خیال یہی تھا کہ وحدت الوجود نے ویدانتی نظریات کے داخلے کے دروازے کھول دیئے تھے۔

انیسویں صدی کے دوران مسلم معاشرے کے سیاسی،سماجی اور معاشی حالات میں بگاڑ اور تعلیمی عدم استحکام نے عظیم دانشور اور مفکر شاہ ولی اللہ کی اصلاحی تحریک کو جنم دیا۔ علاوہ ازیں اس دور میں بہت سے ایسےاصلاح پسند رجحانات بھی سامنے آئے جو متعدد تنازعات سے دو چار تھے۔ مجاہدین تحریک تنازعات کا نقطہ آغاز تھی، بعدازاں بریلوی تحریک ، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی نے بھی اس نئے چیلنج کو قبول کیا۔ سرسید کی آزاد خیال علی گڑھ تحریک کی مخالفت بھی صرف اس وجہ سے کی گئی

[1] *Lecturer, Govt. Degree College Mailsi and Ph.D Scholar in History at IUB*
[2] *Dr. Khalil Ahmad, Assistant Professor, Department of Humanities and Social Sciences, Khwaja Fareed University of Engineering & Information Technology, Rahim Yar Khan*
3 Lecturer, Department of Humanities and Social Sciences, Khwaja Fareed University of Engineering & Information Technology, Rahim Yar Khan

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

تھی کیونکہ قدامت پرست طبقہ اپنی تمام ترکوتاہیوں کے باوجود اس تبدیلی کا متحمل نہیں ہو سکا تھا۔تاہم برطانوی دور حکومت میں ہندوستانیوں کوانگریزی نظام تعلیم کی شکل میں ایک ایسی سنگین حقیقت کا سامنا کرنا پڑا جو نہ صرف ان کی پے درپے فوجی شکست کا موجب بنی بلکہ تمام طبقات کے حالات زندگی میں تغیر بھی پیدا کیا۔تعلیمی میدان میں یہ تبدیلی اس سمجھوتے کی بدولت ممکن ہوئی جو برطانوی حکومت نے انگریزی ثقافت کی شکل میں سر سید احمد خاں کے ساتھ کیا۔

یہ تحقیقی مضمون خالصتاًبیانیہ اور تاریخی تحقیق سے متعلق ہے جس کا مقصد اصلاح پسندوں کے ان مختلف مگراختلافی و نزاعی رجحانات و نظریات پر روشنی ڈالنا ہے جو مغل حکمرانی کے ابتدائی دور میں شروع ہوئے ۔علاوہ ازیں ان عقلی وجوہات اور بنیادوں کو بھی تلاش کرنا ہے جنہوں نے اصلاح پسند ی کی آڑ میں ان اختلافی اور متنازع رجحانات کو جنم دیا۔اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے دوران ہندوستانی مسلم معاشرے کی حالت ایک عام شخص کے لئے کافی مبہم ہے ۔ لہٰذا اس معاشرت کی واضح تصویر کشی کے لئے مستند ذرائع سے مواد لے کر منطقی ترتیب اور تاریخی نقطہ نظر سے اس دور کے زوال پذیرمسلم معاشرے کے حالات کا ایک واضح اور تنقیدی مطالعہ پیش کرنابھی اس تحقیقی مضمون کے مقاصد خاص میں شامل ہے تاکہ بیسویں صدی کے عوام الناس کو اس دور کی معاشرتی خرابیوناور مذہبی تناؤ کو سمجھنے کے قابل بنا یا جاسکے۔ برصغیر میں روایت پسندی ، جدیدیت اور احیاء پسندی کے تناظر میں اصلاح پسند مگر متنازع رجحانات کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

1.متنوع مفادات اور نسل پرستی:

اسلام کے جھنڈے تلے ہندوستان متنوع پس منظر رکھنے والے مختلف النسل خاندان کی آمد اور آماجگاہ کا شاہد رہا ہے۔ برصغیر کے شمال مغربی حصے میں اسلامی فتوحات سے بہت پہلے عرب مسلمان تجارت کی غرض سے ساحل ہندوستان پہنچے۔ ان عرب تاجروں کی سادگی، دیانتداری اور سچائی کی بدولت مقامی آبادی نے انہیں بخوشی وہاں آباد ہونے کی اجازت دی۔ یہ مسلم تاجر اپنے حسن سلوک ، رواداری اور اسلامی شعائر کی بدولت مقامی باشندوں میں معاشرتی عدم مساوات او ر کفرانہ نظریات کے خلاف بیداری اور نئے الہامی عقیدے میں شمولیت اور قبولیت کا ذریعہ بنے۔ بعد ازاں خالص اسلامی تصور توحید کے ساتھ ساتھ معاشرتی مساوات نےوسیع پیمانے پر پسماندہ افراد کو متاثر کیا۔[1]

آٹھویں صدی کے آغاز میں جب عربوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں کو فتح کیا تویہاں بھی اسلامی عقیدے کے حامل ان عربوں نے اپنے کردار سے بہت سےمقامی باشندوں کو اس نئے مذہب کو قبول کرنے کے لئے متاثر کیا۔ تاہم مرکزی خلافت میں سیاسی ہلچل نے کئی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

سالوں تک اس عمل میں خلل ڈالے رکھا بالآخر بنو امیہ کے زوال کے ساتھ ہی سندھ نے بھی تقریبا اپنی آازدی و خود مختاری کا اعلان کردیا۔آنے والی کئی صدیاں حکمران طبقے میں ہنگامہ خیز تبدیلیوں اور اس سیاسی بد حالی کی گواہ ہیں جس کی بدولت نہ صرف مسلم معاشرے سے سابقہ اسلامی استحکام اور سالمیت کا خاتمہ ہوابلکہ اسلام قبول کرنے والوں کی بہت بڑی تعداداپنے اصل عقیدے کی طرف واپس لوٹ گئی۔ [2]

دسویں صدی عیسوی کے اختتام تک ترک نسل حکمرانوں نے عربوں کی جگہ لے لی۔ اس سے قبل عباسی دربار ایرانی اثر و رسوخ کے زیر اثر تھااور ایران کی سندھ سے قربت کی بدولت بہت سے ایرانی اہل علم اور اشرافیہ کو سندھ اور پنجاب لا گیا ۔ غزنوی سلطنت کو نہ صرف ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں تک وسعت دی گئی بلکہ ان کے بار بار کے حملے ملک کے وسطی اور جنوبی حصوں تک بھی پھیلتے چلے گئے ۔ اصل میں ترکوں کی اپنی کوئی ثقافت نہیں تھی اور ان کی اکثریت وحشی اور غیر انسانی سلوک کی حامل تھی۔ انہوں نے وسیع پیمانے پر اسلام تو قبول کیا مگر اسلام کے ہمہ گیر اصولوں پر برائے نام عمل کیا ۔اس نئے دین اور ایمان کی حدت ان کی رگوں میں کلی طور پر راسخ نہیں ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے عدم مساوات پر مبنی معاشرتی نظام کے با وجودانہوں نے یہاں کی مقامی آبادی کو اپنی شاہانہ زندگی سے متنفر کیا۔ [3] وہ اپنے عقائد کو پھیلانے کےبرعکس سرزمین پر حکمرانی کرنے میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے مختلف قبائل اور خاندان برسراقتدار آتے گئے بالآخر مغل اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جو تقریباًتین صدیوں پر محیط رہی۔

امتزاج کا عمل اگرچہ انتہائی سست روی کا شکارتھا تاہم یہ ظاہری طور پر موجود ضرورتھا جس سے حاکم و محکوم دونوں ہی متاثر تھے [4]۔ شہنشاہ اکبر وہ پہلا مغل حکمران تھا جس نے حکمران اوررعایا کو قریب لانے کی ضرورت واہمیت کو محسوس کیا۔ لہذا اس نےحصول مقاصد کی خاطر نئی مذہبی وسیاسی پالیسی کے پس پردہ ایک نیا مذہب متعارف کرایا جس کا مقصد ہندو اشرافیہ کو نہ صرف حکمران طبقہ کے قریب لانا تھا بلکہ مسلم اور غیر مسلم عقائد و ثقافت کے مابین راہ ہموار بھی کرنا تھا۔ تاہم یہ بنیادی مذہبی نظریہ اسلامی اصولوں کے بجائے پوری طرح سے سیاسی تحفظات پرمبنی تھا۔ سیاسی یکجہتی اور ثقافتی اتحاد کو برقرار رکھنےکے لئےمذہب کو ایک حربے اور ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا اور اس مذہب کا نام دین الٰہی رکھا گیاتھا ، جوبنیادی طور پر اسلام ، ہندو اور عیسائی تعلیمات کا ملغوبہ تھا۔ ترک ثقافت اور حکمران طبقہ کی زبان نے بھی مسلم معاشرے میں ایرانی اور ہندی معاشرے کو انتہائی متحرک اور مستقل مزاجی کا راستہ دکھایا۔[5]

2.معقولات (عقلیت پسندی):

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

وسط ایشیائی اور فارسی اثرات کےزیر اثرمدبرانہ اور تعلیمی افکار بتدریج ایک نئی عقلیت پسند روایت میں تبدیل ہو گئے۔ سلاطین اور مغلیہ حکومت کے ابتدائی ادوار کے منطقی علوم نے معقولات پر زیادہ زوردیا۔ اس میں فلکیات ، ریاضیات، یونانی منطق اور فلسفہ شامل تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی زبان کی شاعری اور ادب دونوں ہی نصاب کا ایک اہم حصہ بن چکےتھے۔ ایک عقلی وقانونی سائنس کی حیثیت سے فقہ یا اسلامی فقہ بھی حکمرانوں کے لئے بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اسے قانونی آباد کاری اور معاشرتی و تجارتی معاہدوں میں اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کرنا پڑتا تھا۔

یہ عقلی اور ادبی علوم ، جو ایک دوسرے کے ساتھ احساس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئے، در حقیقت اپنی نوعیت میں روایتی تھے اور طویل عرصے سے اپنی ابتدائی اصلیت اور حرکیات سے محروم تھے۔ یہ علم و حکمت کی حقیقی عقلی جستجو کے بجائے زبان اور خود غرضی کا ایک ذریعہ بن چکے تھےجس کا اصل مقصد حکمرانوں اور رؤسا کے درباروں میں ایک قابل قدرمقام حاصل کرنا تھا۔ فارس کے لسانی اور ثقافتی اثر و رسوخ کے نتیجے میں بہت سے اچھے اور برے عناصرظہور پذیر ہوئےجن کی وجہ سے تعلیمی اور فکری شعبوں میں اس زبان کے بے بہا اشعارکا استعمال ، غیر حقیقت پسندانہ تصویر کشی اور غیر حقیقی مبالغہ آرائی جیسی بے ربط اشیا اور غیر ضروری تقاضوں کا اضافہ ہوااور بہت جلد یہ سب عناصر ثقافتی روایات اور تعلیمی نظام کا حصہ بن گئے جس نے نہ صرف تمام عقلی خیالات کو روایتی حدود تک محدود کردیا بلکہ ہندوستانی معاشرے کےاشرافیہ کو اصل ذرائع علم اور اسلام کی اخلاقی اقدار اورروشن خیالی سے بھی دور کردیا۔[6]

3.منقولات (روایت پسندی):

تعلیمی نظام اور اہل دانش میں معقولات کی عظمت و فضیلت کے نتیجے میں ، منقولات کی حیثیت ثانوی رہی۔ قرآن مجید کو صرف آسمانی نعمتوں کا ذریعہ تصور کیا جانے لگا اور رسمی تقریبات کے مواقع پر عقیدت میں اس کا بوسہ لینا ہی اس کی تعظیم و تکریم سمجھی جانے لگی۔ علاوہ ازیں مدارس و مکاتب میں یہ صرف اور صرف رسمی تقاضوں کی تکمیل کے لئے سکھایاجانے لگا۔ فارسی یا دوسری زبانوں میں مقدس کتاب کا کوئی ترجمہ دستیاب نہیں تھا اور نہ ہی غیر عرب عوام کے لئے یہ مناسب سمجھا گیا تھا۔ کتب احادیث کے بارے میں صورتحال بھی چنداں مختلف نہ تھی۔ اس سائنس کے لیے حدیث کی صرف ایک کتاب مشارق الانوار کوہی کافی سمجھ لیا گیا تھااورصحاح ستہ برصغیر میں تقریباً غیر مقبول نظر آئی ۔ان تمام عوامل نے نہ صرف مسلم معاشرے میں تنزلی پیدا کی بلکہ بار بارکی سیاسی ہنگامہ آرائی اورمعاشرتی و مذہبی انحطاط کے عمل میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔[7]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

4.روحانیت:

عقیدے کے بنیادی ذرائع یعنی قرآن اور حدیث کے ساتھ اس قطع تعلقی روحانی تربیت اور خدا سے منسلک معجزاتی واقعات میں گہری دلچسپی کا نتیجہ تھی۔ حتمی نجات کے لئے روحانی سرپرست کا شاگرد بننا تقریبا فرض تصور کیا جانے لگا تھا۔ جن کے پاس روحانی رہنمائی نہیں تھی وہ اکثر شیطان کے شاگرد بن کر طنز کرتے تھے۔ چار صوفی سلسلے چشتی ، قادری ، سہروردی اور نقشبندی سب سے زیادہ اثر و رسوخ کے حامل تھے ، مگررفتہ رفتہ یہ تمام صوفی سلسلے اپنے بانیان اور ان کی اصل تعلیمات کے برعکس متعدداور مختلف مقابرو مزارات کےتناظر میں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے چلے گئے۔

روحانی رہنمائی اور متعدد مزارات سے وابستہ مختلف تقریبات جیسے سماع اورعرس وغیرہ کے علاوہ ابن العربی کا صوفی نظریہ وحدت الوجودبھی صوفی حلقوں میں وسیع پیمانے پررائج ہوا۔ وحدت الوجودکے تصور کو خدا کی وحدانیت کے تصور سے متصادم قرار دیا گیا تھا اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کی ویدانتی یا ویدک فلسفہ سے گہری مشابہت اور مما ثلت تھی جس نے تمام مخلوقات میں خدائی موجودگی کو دیکھا۔[8]

5.مسلمانوں کا مقامی آبادی کے ساتھ باہمی ربط و عمل:

برصغیر میں آبادی کی بھاری اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی ، جن میں سے بیشتر بت پرست تھے تاہم اس کے ساتھ ساتھ حتمی حاکمیت اعلیٰ کابھی ایک مبہم تصور موجود تھا۔ یہ تصور عالم فاضل اور برہمن طبقے میں زیادہ واضح تھا۔ انسانی مساوات کا تصور بالکل غائب تھا سوائے ان بدھ مت کے جو برصغیر میں طویل عرصے سے اپنی شناخت کھو چکے تھے۔ تاہم حامیان اسلام کی موجودگی ، جنہوں نے وحدت الوجود میں غیر مصالحانہ عقائد اور مساوات انسانی کو تھامے رکھا ، نے آہستہ آہستہ سماجی حدود و قیود اور نظریاتی پہلوؤں میں گہرا تعلق پیدا کیا ۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمران طبقہ ، جس نے اس وقت تک عام رعایا کو خود سےدور رکھا ہوا تھا ، نے ایک مخصوص سطح پر نظریاتی وابستگی پیدا کرلی اور باہمی روابط اور اثر و رسوخ کے نتیجے میں سیاسی وثقافتی تعلقات ابھرنا شروع ہوئے۔[9]

ہندوؤں میں چودہویں اور پندرہویں صدی کے دوران بھگتی تحریک کا ظہور اسلامی اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا۔ جو یقینی طور پر بعد کے اصلاح پسندوں اور کلیسائی نظریات کی شروعات کی نشاندہی کرتی ہے۔ دین الٰہی کے ظہور نے مغل خاندان کے ابتدائی دور میں اسلام کا ایک تحریف شدہ تخیل پیش کیا جوہندو مذہب و ثقافت کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی طرف واضح اشارہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دین الٰہی کو متعارف کروانے میں شہنشاہ اکبر کا مطمع نظر مغل حکومت کو سیاسی اور ثقافتی استحکام دلانا تھا جس کے بارے میں ان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

کا خیال تھا کہ اس اقدام سے مختلف مذہبی تعلیمات کوبہتر اور یقینی طور ہم آہنگ کیا جاسکتا تھا۔

اس طرح کی سوچ، تصورات و تحفظات گذشتہ ادوار میں ممکن نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ قریبی تعلقات کے ذریعے یہ باہمی اثر و رسوخ بڑی حد تک مفقودتھا۔اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دین الٰہی کے نام پر ایمان اور عمل کے کچھ بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ بھی کیا گیا ۔ لہذا یہ بات بجاطور پر کہی جاسکتی ہے کہ اکبر کی مذہبی پالیسی دیگرعوامل کے برعکس نکلی ، جیسا کہ اوپر بحث کی گئی ہے کہ ہندوستان میں اسلامی احیائے انقلاب کے رجحانات کو جنم دینے میں یہ پالیسی سب سے اہم عنصرگردانی جاتی ہے ۔[10]

6.اصلاح پسند رجحانات کاظہور:

ان تمام حالات و واقعات کے بعدیہ نا گزیر ہو گیا تھا کہ اب برصغیر میں اصلاح پسندانہ خیالات و رجحانات کاجلد ظہور ہو۔ مذہبی ڈھانچے میں مبہم اور غیر متعین تبدیلی کے حوالے سے شکوک و شبہات اور بگاڑ کےاحساس نے کئی ذہنوں میں ہلچل مچادی تھی۔ یہ اندرونی اضطراب مستند ذرائع کی بنیاد پر ہندوستان میں اسلامی ڈھانچے کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے اصلاح پسند رجحان کا نقطہ آغاز ثا بت ہوا۔ ان معاشرتی اور مذہبی تبدیلیوں کو سمجھنے اورحقیقی اسلامی تعلیمات کی گہرائی جاننے کے لیے اصلاحاتی عمل کے ساتھ ساتھ تمام مروج امراض کے علاج کے لیے ایک مدبرانہ اور عملی تجزیہ کی ضرورت تھی۔اور اس سماجی و مذہبی بد نیتی کو دور کرنے کے لئے جو شخص سب سے زیادہ موزوں تھا ان کا نام شیخ احمد سرہندی تھا۔ وہ اسلامی تعلیمات کےماہر اور جوش و ولولے سے لبریز تھے اور پیش گوئی کا ایک خاص طرز بھی رکھتے تھے۔تاہم بہت سے لوگ ہندو مسلم تعلقات اور وابستگی میں روز افزوں اضافے پرکڑی تنقید سے متفق نہیں ہوسکے تھے مگر شیخ احمد سرہندی کے مطابق اسلامی اصولوں اور اعتقاد کی تحریف کا سب سے بڑا سبب یہی تھااور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی عقیدے کی بے لگام خستہ حالی کے عمل کوبھی قابو میں لایا جانا از حد ضروری تھا۔[11]

7.وحدت الشہود:

اس دورکے صوفی فلسفہ میں سب سے زیادہ اہمیت سرہندی کی فکری شراکت کو حاصل تھی جہاں نظریہ وحدت الوجود رائج ہو چکاتھا جسے توحید کے بنیادی تصور کی واحد ترجمانی کے طور پر قبول کیا جا چکا تھا۔ سرہندی نے وحدت الوجود کی نظریاتی غلطیوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور وحدت الشہود کا ایک متوازی صوفی فلسفہ پیش کیاجس نے توحید کی واضح اور قریب تر صوفیانہ وضاحت پیش کی اور خالق اور مخلوق کے مابین امتیاز کی واضح لکیر کھینچی ۔ اگر وحدت الوجود ودانت کے قریب تر تھا تو وحدت الشہود کا تصور قرآن کے تصور توحید کے قریب ترین تھا۔[12]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

اس کے ساتھ ساتھ بحیثیت عقیدہ اس اصلاح پسندی کی بحالی بھی اسلام کی داخلی حرکیات کی نشاندہی کرتی ہے۔ یعنی اسلام صرف برصغیر پاک و ہند تک ہی محدود نہیں رہا تھابلکہ یہ احیا پسند مثالی رجحان مسلم دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی اظہار خیال کررہا تھا۔ اس اصلاح پسند اور احیاء پسند رجحان کی آمد کا ایک اہم مظہر حج کا عالمگیر اسلامی اجتماع تھا جس نے مکہ اور مدینہ میں ایشیاء ، افریقہ اور یورپ کےگردو نواح سےآنے والےمختلف قومیتوں کےحامل مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیاحج نے ان مقدس شہروں کی طرف سفر اور رجوع کرنے والے لاکھوں افراد میں اصلاح پسندانہ رجحانات کو تقویت بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ جنہوں نے اسلامی پیغام کی آفاقیت پر نہ صرف والہانہ عقیدت مندی کے گہرےنقوش چھوڑےبلکہ حقیقی ذرائع کی بنیاد پر اپنے ایمان اورعقیدے کے مستند نسخے کی بھی تشہیر کی۔ اوریہ بات شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی ذات میں بھی دیکھی جاسکتی ہے جنہوں نے حج سے واپسی پر حدیث کے فروغ کے لئےایک عظیم ولولہ پیدا کیا ، اور شاہ ولی اللہ میں بھی ، جن کی قرآن وحدیث پر مبنی جامع اور بنیادی اصلاحات ان تصورات اور فلسفے کی توثیق کرتی نظر آتی ہیں۔

اس کی ایک اور مثال بنگال کے حاجی شریعت اللہ ہیں جو بیس سال بعد مکہ سے واپس آئے اور فرائضی تحریک کی بنیاد رکھی جس کا مقصد اسلام کا بنیادی ستون(فرائض) کا احیا اور اسےتقویت بخشنا تھا۔اسی دور میں ہندوستان کے باہر مسلم دنیا کے کچھ حصوں یعنی عرب اور شمالی افریقہ میں بھی اسی قسم کے احیاء پسند رجحانات ظہور پذیر ہوئے ۔[13]

ان عوامل کے علاوہ ، جو مسلم معاشرے کے نازک حالات میں اصلاح کی نسل در نسل خواہش کی عکاسی کرتے ہیں ، کچھ دیگر متعدد خارجی اسباب بھی تھے جنہوں نے ان احیا پسند رجحانات ونظریات کو جنم دیا۔ ابتدائی ایام سے ہی شروع ہونے والا شیعہ سنی تنازعہ آہستہ آہستہ بعد کے مغل دور میں بھی سنی اکثریت اور اس کے نمائندوں کو احیاء پسندانہ گفتگو کی طرف دھکیلنے میں ایک طاقتور عنصر بن کر ابھرا۔ بعد ازاں جنوبی اور شمالی ہندوستان کی متعدد ریاستوں میں شیعہ حکمرانی کے ظہور اور مغل دربار میں ان کی برتری نے برصغیر کے طول و عرض میں علمی مباحثوں کے ساتھ ساتھ متعدد سیاسی تنازعات کو بھی ہوا دی۔ جس نے ایک بار پھر مستند ذرائع کی روشنی میں تجدید پسندرجحانات کو ایک مقام فراہم کیااور یہ بحث اٹھارہویں اورانیسویں صدیوں کے دوران مزید ابھر کر سامنے آئی۔[14]

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد سیاسی افراتفری نے انفرادی عزائم اور علاقائی مہم جوئی کو جنم دیا جو بالآخر سیاسی و سماجی اور اخلاقی انحطاط کے نتیجے میں مسلم حکمرانوں اور ان کی تمام ترطاقت کے خاتمے پر منتج ہوئی ۔ اس خرابی کی سند شاہ ولی اللہ کی اصلاحات کے جامع سلسلے اور مجموعے میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مذہبی محاذ پر مسلمانوں کے انحطاط اور ہندوستان میں مسلم حکمرانی کے تیزی سے زوال کے سبب، آپ ان بدعتوں کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

تمام سلسلوں پر از سر نو غور کرنے پر مجبور ہوئے جو اسلامی تعلیمات اور عصر حاضر کے معاملات میں داخل ہوچکی تھیں۔ وہ ایک مفکر اور اعلیٰ پایہ کے عالم دین تھے۔ وہ نہ صرف اسلامی عقائد کے بنیادی ذرائع علم کی غلط فہمیوں اور عدم توجہی پر علمائے کرام کے ناقص طرز عمل پر تنقید کرتے تھے بلکہ مادی زندگی میں ان کی خود غرضی کی مذمت بھی کرتے تھے [15] ۔آپ کی تحاریر و تصانیف انتہائی انقلابی اورمتوازن تجزیہ پر مبنی تھیں۔ انہوں نے عام آدمی میں اسلامی تعلیمات و احکامات کی آسان فہم کے لیےقرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ آپ کے نزدیک مسلم معاشرے اور اذہان میں موجود غلط فہمیوں کو ختم کرنے کے لئے قرآن کی تفہیم بہت ضروری تھی۔ جو نہ صرف اسلامی طرز عمل بلکہ معاشرتی نشوونما اور اخلاقی اقدار و نظریات کے لئے بھی انتہائی اہم سنگ میل ثابت ہوئی ۔ آپ نے مدارس کے نظام تعلیم میں حدیث کی تعلیم و مطالعہ کو انتہائی مناسب اور لازمی تصور کیا۔[16]

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ عام نصاب میں بنیادی ذرائع علم کو شامل کرکے اسلام کی حقانیت و عالمگیریت اورحقیقی تعلیمات کے بارے میں نئی آگاہی پیدا کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔علاوہ ازیں آپ نے متعدد کتب بھی لکھیں جس میں انہوں نے قرآن و حدیث کے مطالعے کے اصول وضوابط کا جائزہ لینے کی بھرپور کوشش کی۔

ان کی تحاریر میں پایا جانے والا سب سے اہم اورمرکزی موضوع مسلم معاشرے میں ان عقائد و اعمال سے متعلق اختلافات میں ہم آہنگی تھی جوخاصیت کے ساتھ فقہی مسائل اور صوفی احکامات و فلسفہ سے متعلق تھے۔ اس تناظر میں آپ نے طویل لفاظی اور مبالغہ آرائی کوحتی المقدور ختم کرنے کی کوشش کی اور قابل قبول مشترکہ عوامل اورخصوصیات پر روشنی ڈالی[17] ۔شاہ ولی اللہ کے خیالات و نظریات نے عبد الحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی کی اصلاح پسندانہ کوششوں کی روشنی میں اصلاح پسند رجحانات کی تشکیل نوکی۔ آپ نے احیائے انقلاب کی کوششوں کو نئی اور وسیع جہتیں فراہم کیں جو خاص طور پر انیسویں صدی کے دوران اور ما بعد بھی وقوع پذیر رہیں۔[18]

7.متنازع ماحول اور منتشراصلاح پسند تصورات:

حضرت شاہ ولی اللہ کی زندگی اور اس کے بعد کے ہنگامہ خیز سیاسی حالات نے سیاسی عمل کا مطالبہ کیا نہ کہ نظریاتی گفتگوکا۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی سربراہی میں مجاہدین کی تحریک نے شاہ ولی اللہ کے ہمہ گیرافکار اوروسیع و عریض اور موذوں اصلاحی پہلوؤں کی بجائے سیاسی ایجنڈے پر زیادہ زور دیا ۔تاہم آپ کی اولاد اور شاگردوں میں ابھی بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے آپ کے تنقیدی واصلاحی نظریات کو خالص تعلیمی ماحول میں آگے بڑھانے کے لئے خود کو وقف کیے رکھا۔آپ کے شاگردوں اور پیشروؤں کی ایک جماعت میں احیا پسند رجحان جیسا متوازی نظریہ وہابی تحریک کی شکل میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جس نے نہ صرف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

عرب سرزمین اور شمالی افریقہ کے غیرت مند اسلامی قبائل میں احیا پسند تحریک کومتحرک کیا بلکہ اجتہاد سمیت اسلام کی تمام حقیقی تعلیمات کوخصوصیت سے بیان بھی کیا۔ تاہم اس تحریک نے غیر منقولہ قبرپرستی اور مقبول توہم پرستانہ رواج کو ختم کرنے کے لیے جس شدت سے عملی اقدامات اٹھائے وہ اس کے مخالفین کو ایک آسان اور مضبوط ہتھیار فراہم کرنے کے لیے کافی تھے۔ ایک حیران کن بات یہ ہے کہ برطانوی حکومت نے اسے محض سیاسی خیالات کی بنیاد پر اجاگرکیا اور چند ایسے باغی مذہبی مصلحین کے خلاف استعمال کیا جو متوازی کلیسائی یا مسیحی نظریات کی نشاندہی کرتے تھے جنہیں وہابی کہا جاتا تھامگروہابی تحریک میں نہ تو شاہ ولی اللہ کے اصلاح پسند نظریات کی گہرائی تھی اور نہ ہی وسیع نقطہ نظر۔[19]

اٹھارہویں صدی کے دوران ہنگامہ خیز حالات اور سیاسی مہم جوئی نے برصغیر کو غیر ملکی طاقتوں کا آسان ہدف بنا دیا تھا جس کی بدولت برطانوی استعمار اپنی حکمرانی کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہوا اورپھررفتہ رفتہ اپنی حکمت عملی اور ہیرا پھیری سے ملک کے باقی علاقوں پر بھی قابض ہوتا چلا گیا۔انیسویں صدی کے آغاز تک تقریبا ً پورا ملک براہ راست ان استعماری قوتوں کے زیرحکمرانی اورمضبوط اثر و رسوخ کےزیر نگیں آچکا تھا۔ برطانوی نوآبادیاتی نظام نہ صرف بنیادی سیاسی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا بلکہ اس نے مغربی یورپ میں رونما ہونے والی انقلابی ونظریاتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بہت سےدیگر معاشرتی ، معاشی اور مذہبی تناؤ کو بھی جنم دیا [20] ۔مسلمانوں نے خود کو اس ماحول میں انتہائی غیر محفوظ محسوس کیااور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے دوسرے ہم وطنوں کی نسبت اس تبدیلی کو بمشکل قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔ اس ابھرتے ہوئے نئے برطانوی معاشرے کے حامیوں نے اپنی مشتبہ حیثیت کے باوجودسیاسی میدان میں دیگر طبقات کے مقابلے میں میں زیادہ مزاحمت پیش کی تاکہ وہ اس نئے قانونی ، لسانی اور ثقافتی اتحاد کو اپناسکیں۔ انیسویں صدی کے دوران مسلم نفسیات انتہائی پیچیدہ تھی۔ وہ انتہائی الجھن کا شکار تھے اور یہ تصور کرنے سے قاصر تھے کہ ان کا مستقبل کیا ہے۔ انہوں نے انگریزوں کے ہر اقدام پر شک کیا جیسے خودانگریز ہر شعبے میں اپنے ارادوں پر شبہ کرتے تھے۔[21]

ہندوستان کے دارالحرب ہونے سے متعلق شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ نے اس الجھن میں مزید اضافہ کیا کیونکہ 1857 کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی شرکت نےوسیع پیمانے پر مسلم اشرافیہ بالخصوص تعلیم یافتہ طبقے کو پرتشدد پالیسیوں پر بے نقاب کردیا تھا۔ برطانوی حکمرانوں نے جلد ہی اس پیچیدہ مسلم ذہنیت کو مسیحی حکمرانوں کے لیے کہیں زیادہ آسان اور مذہبی اظہار کا ذریعہ سمجھنا شروع کردیا۔ مسلم اشرافیہ نے اس جامع تبدیلی کی کشش کو محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جو ملک میں پھیل رہی تھی اورجزوی طور پر مغرب میں رونما ہونے والی دانشورانہ پیشرفتیں اب رفتہ رفتہ ہندوستانی سرزمین اور معاشرے پر منکشف و منعکس ہو رہی تھیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائی مشنریاں بڑی تعداد میں ہندوستان میں داخل ہو رہی تھیں اور یہاں اپنے اقتدار کے استحکام کی خاطر مقامی حکمرانوں کی سرپرستی کرنے لگی تھیں اور یہ تبدیلی بتدریج مگر زیادہ شد ومد کے ساتھ ہندوستانی معاشرے کےتمام شعبہ ہائے جات میں نظر آنے لگی تھی۔ اب ملکی زبان ، قانونی ڈھانچہ ، معاشی نظام ، دانشورانہ اصولوں پر مبنی تعلیمی نظام اورسماجی طبقات ان بتدریج مگر سخت تبدیلیوں کا مشاہدہ کھلے دماغ اور بیدار آنکھوں سےکر رہے تھے۔[22]

نوآبادیاتی دور میں ہونے والی ان جدید تبدیلیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر شاہ ولی اللہ کے اصلاح پسندانہ نظریات، فلسفہ اور حکمت عملی پر غور و فکر کیا جاتا تو مسلم اشرافیہ اس نئی صورتحال کو سمجھنے ، اس کا عمیق جائزہ لینے اورپھر خود کو ان حالات کے مطابق ڈھالنے کی بہتر ین حالت میں ہوتے۔ تاہم شاہ ولی اللہ کے اصلاح پسند اور احیائی نظریات کا تجزیہ اکثر دفاعی طور پر کیا جاتا تھا اور بعد میں اصلاح پسندوں نے ان نظریات کومحض مثال اورنمونہ کے طور پر اختیار کیا جو سماجی ومذہبی میدان میں نقصان کاباعث بنےاورخصوصاً جدیدیت ، سیکولرازم اور سائنسی فکر کے نئے مغربی نظریات کے تناظر میں یہ بات سچ ثابت ہوئی۔ یہ نظریات غیر اسلامی نہیں تھے بلکہ اکثر اوقات ایسے ہی بنائے جاتے تھےالبتہ مسلمانوں نے اپنے منحرف رویے میں اس کے مضمرات کو معروضی طور پر دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی جبکہ وہ دانشورانہ طور پر حقیقت پسندی کی فہم و فراست کی حقیقی تشخیص کی پوزیشن میں تھے اور اصلاح پسند افکار اور مغربی علوم کے مابین ہم آہنگی کے بھی قابل تھے۔ انیسویں صدی کے دوران شاہ ولی اللہ کے اصلاح پسندنظریات کی تقلید میں سرسید احمد خاں ایک تنہا مثال کے طور پر کھڑے نظر آتے ہیں جن کے پاس اس نئی سمت کی فہم کے بارے میں با ہمت اوربا صلاحیت سوچ موجودتھی جس میں اسلامی اصلاحات اور مغربی افکار بیک وقت سموئےجاسکتے تھے۔ تاہم اس عمل میں وہ بھی معاشرے کے قرون وسطیٰ اور اپنی بنیاد پرستی کے مابین پھنس کر رہ گئے تھے۔[23]

اگر ہم انیسویں اور بیسویں صدی کی مسلم تحریکوں کے فرقہ وارانہ نظریات کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو ہم اس احساس سے خلاصی نہیں پاسکتے کہ اصلاحی نظریہ دراصل شاہ ولی اللہ کے خیال میں ایک متحد ، مربوط اور اعتدال پسند تصور تھاجس نے بعد کی تحریکوں کے مختلف فرقہ وارانہ نظریات میں دراڑیں ڈال دیں مگر بعد میں آنے والے کچھ اصلاح پسندوں نے جہاد کی جڑیں کاٹنے کی غرض سےان نظریات کو پنپنے کا کم ہی موقع فراہم کیا اور باقی ماندہ نے روایتی تعلیم اور طرزتعلیم کے ساتھ ساتھ جدید نظریات پر مبنی تعلیم پر زور دیا۔ کچھ لوگوں نے ان اقدامات کو شاہ ولی اللہ کی اصلاحات کو مکمل طور پر مسترد کرنے کی علامت قرار دیا جب کہ دیگرنے نہ صرف ان اقدامات کو جاری رکھا بلکہ مکمل ہم آہنگی کا درس دے کر اجتہاد کی کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ اس سے پیدا ہونے والا تنازعہ بالکل ہی بیکار تھا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

کیونکہ یہ اوراسی طرز کی دیگر اصلاح پسند خصوصیات شاہ ولی اللہ کے افکارکو کہیں زیادہ متوازن اور وسیع تر تخیل کاحامل گردانتی تھیں۔

ان اصلاح پسند نظریات کے مابین بہت سے ایسےدوسرے افراد بھی تھے جو دونوں اطراف کے نظریات یعنی روایت اور جدیدیت کو اپنائے ہوئے تھے ۔ تاہم یہ تمام تصورات و نظریات واضح انداز میں اسلام کے دفاعی پہلو پراظہار خیال کرتے نظر آتے تھے اور کوئی بھی اسلام یا جدید مغربی اقدار کے بارے میں کسی جامع اور مثبت بیان کی حمایت نہیں کرتا تھاجس کے بغیر دونوں کا باہم جائزہ ممکن ہی نہ رہا تھا۔ پس یہی وہ دور تھا جب فرقہ وارانہ اصلاح پسند نظریات کے حامیوں نے ولی اللہ مکتبہ فکر سے اپنےتعلق کا دعویٰ کیا۔[24]

اصلاح کی آڑ میں مختلف مکاتب فکر میں تبدیلی کے رجحانات انیسویں صدی کے ماحول کی شدید الجھنوں کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں سماجی و سیاسی اور مذہبی وجدان کی آب و ہوا نہایت ہی دھندلی اور ابر آلودتھی۔ انیسویں صدی کے دوران غیر ملکی اجارہ داری، سیاسی تباہی اور مغربی تسلط کے تحت مذہبی اور ثقافتی شناخت کو لاحق خطرات کے احساس نےاسلامی اصلاحات اور عصری تقاضوں کی تشخیص کے بجائے اصلاح پسندانہ افکار اور اقدامات کو سراہا ۔ اس وقت کے حالات میں یہ ایک فطری امر تھا کیونکہ اصلاح کے راستے پر اکثر متعصب اور نظریاتی افکارکے حامل تصورات نے انہیں ہدف تنقید بنایاہوا تھا اور بعد کے عشروں میں ان فرقہ وارانہ نظریات کی حدت کو واضح طور پر محسوس بھی کیا گیا۔ اصولی اورنتیجہ خیز نقطہ نظر نےبسا اوقات عوامی گفتگو میں خودکوبطور تزئین آمیز مسائل اور فضول تکرار میں ملوث گرداننا شروع کردیا۔اس ہیچ اور بیکارعلمی بحث کے باوجود شاہ ولی اللہ کے دانشورانہ اور اصلاح پسندانہ افکار نے بہت سےاصلاح پسند ذہنوں کو ہلا کر رکھ دیااور یہ بات دیوبند اور علی گڑھ کے معاملے میں بالکل صادق آتی ہے۔[25]

بانیان دیوبند اور علی گڑھ بھی ایک نئے علم الکلام کے موجد تھے ، جس کے لئے مؤخر الذکر بدنام مشہور تھا جبکہ اول الذکر شاذو نادر ہی جانا جاتا تھا ، جس کی بڑی وجہ اس کی غیر معمولی گہرائی اور مبہم مقالہ تھا۔ سرسید نے اپنے جدید الکلام کے کچھ نئے اصول وضوابط وضع کیے اور اس کی بنیاد جدید مغربی اقدار اور اسلامی عقائدکی وسیع تر تفہیم پر رکھی جبکہ مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے نئے طرز عمل کی بنیادقرآن و سنت اور اسلامی عقائد کی گہری منطقی تفہیم پر رکھی۔ان دونوں یعنی مغرب پسنداورروایت پسند مکاتب کواس گروہ بندی کی از سر نو جانچ کی ضرورت تھی ، کیونکہ دونوں ہی عقلی بنیادوں اور واضح طریق کار سے منسلک تھے۔[26]

جدیدیت اور روایت پسندوں کے مابین اصلاحی تناؤ کے علاوہ ، جن کی نمائندگی بنیادی طور پر علی گڑھ اور دیوبند نے کی،تصورات اور نقطہ نظرکے سلسلے میں سخت اختلافات موجود تھے جس نے روایت پسند حلقے میں اصلاحاتی منظرنامے کوبہت متاثر کیا۔ اس طرح اگر دیوبند شاہ ولی اللہ کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

اصلاحات کا حامی اور اس سے کلی مطابقت رکھتا تھا تو اسی سنی مکتبہ فکر کا حامل اہل حدیث طبقہ اس سے کلی عدم مطابقت کا حامی تھا۔ اسی طرح جب تک دیوبند اور اہلحدیث مکاتب فکر حدیث اور قدیم نصاب کی پیروی میں ایک تھے تب تک ندوۃالعلماء کے پرستار مذہبی تعلیم کے تمام قدیم نصاب اور روایتی طریقہ کار پر نظر ثانی کے حوالے سےبحث کرتے نظر آئے۔ یہ بات ایک مکتبہ فکر کی دوسرے پر ترجیح ظاہر نہیں کر سکتی تاہم ان کے طریقہ ہائے کارمیں تغیر اور متضاداصلاح پسندنظریات اس کا واضح ثبوت ہیں جو اکثر و بیشتر ایک آدرش شخصیت کے گردگھومتے رہےہیں۔[27]

بیسویں صدی کے دوران اس جزوی تفہیم کے حامل اصلاح پسند طبقہ کو تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔مگر ایسا لگتا تھا کہ تبلیغی جماعت کے ظہور نے پوری اصلاح پسند اور احیا پسند نظریات کی گفتگو پر ایک نئی بحث کو جنم دیا جبکہ کچھ عرصہ بعدہی جماعت اسلامی آفاقی حکمرانی کی جدوجہد کو نظریاتی شکل دینے کے نام پر فکری اور عملی طور پر سیاست کرتی نظر آئی۔[28]

شیخ عبد الحق سے شاہ ولی اللہ اور ان کے شاگردوں تک اصلاح پسندوں اور ان کےنظریات کودیکھتے ہوئے ہمیں" فوری" اور" حتمی "اقدامات کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔ مصلحین کے ارد گرد موجود سیاسی اور معاشرتی حالات نے فوری محرکات اور فوری مسائل کے حل کے لیے ایک وقتی جنون فراہم کیا۔ مثال کے طور پر شیخ احمد سرہندی کے اصلاح پسند خطوط ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین لگاؤ اور قرابت داری کی مذمت کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اول الذکر کے ساتھ سخت رویہ اور مؤخر الذکر کو تلقین کا درس دیتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کے اصلاحی نظریات پر سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی سربراہی میں جہادی تحریک تھی۔ ایسے اقدامات اورردعمل فوری معقولات کا نتیجہ تھے جبکہ حتمی معقولات و اقدامات اصلاح پسند اقدار میں کہیں نظر نہیں آئے۔ ظاہر ہے کہ بدلتے حالات کے ساتھ ہی ایسے عارضی نظریات بھی بدل جاتے ہیں۔

دوسری طرف یہ اصلاح پسند نظریات لازماً باطنی ہدایت کے مرہون منت رہے اوربذات خود مسلم معاشرے کی داخلی بیماریوں کے ازالے کے لئے مستند بنیادوں کی تلاش کرتے رہے جو خود ہی اصلاحی نظریات کے حتمی مقصد کو اٹھائے ہوئے تھے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی بحالی اور احیاء کے متلاشی اصلاح پسند نظریات کی واضح تصویر دیکھنے کے لیے ہم اس کادرج ذیل انداز میں جائزہ لے سکتے ہیں۔

1. اصل اور حقیقی ذرائع کا حوالہ:

یہ حقیقی ذرائع ہندوستانی مسلم معاشرے سمیت وسیع پیمانے پر مسلم دنیا کے لئے طویل المیعاد اور زائد المیعادہو چکے تھے اور ان حوالہ جات کی متواتر نظراندازی نے عقیدہ کی بنیادی تعلیمات کو مبہم کرنے کے لئے عملی غور و فکر کا آغاز کیا ۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

2.بنیادی اسلامی تعلیمات کی طہارت:

اس کا مقصدمسلم معاشرے میں مروجہ غیر اسلامی افکار ، توہم پرستی و ضعیف الاعتقادی، رسم ورواج اور افعال سے بنیادی اسلامی تعلیمات کا تزکیہ کرناتاکہ الہامی مشن کو پوری طرح اس کی مکمل پاکیزگی کے ساتھ بحال کیا جاسکے۔

3.شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی:

شریعت اور طریقت میں مطابقت بھی اسلامی تاریخ کا ایک اہم مسئلہ رہا جس میں مفاہمت کی ضرورت تھی تاکہ دونوں رجحانات کو ہم آہنگ کر کے بہترین طریقے سے پیش کیا جاسکے۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں شریعت اور طریقت کے حامیوں کے مابین خلیج اتنی وسیع ہوچکی تھی کہ ان مسائل پر ان سے بات چیت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تھاکیونکہ یہ مصلحین ان دونوں رجحانات کا اعتدال پسند نظریہ رکھتے تھے اور اس مسئلہ میں امتیاز اور تضاد کے بجائے ایک ہی سکے کے دو رخ تصور کیے جاتےتھے۔

4. اجتہاد کی روشنی میں مطابقت کی اہمیت:

مسلم دور میں نام نہاد عقلی علوم کے پھیلاؤ کے باوجود ، فقہ کے چاروں مکاتب میں سے کسی ایک کے مطابق خود کو ڈھالنا ناگزیر اور ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی فقہ ایک طرف بنیادی ذرائع علم یعنی قرآن و حدیث کو مکمل طور پر نظرانداز کر کےتمام نئے سوالات کو دبانے کا سبب بنا تودوسری طرف مسلم معاشرے کو آگے کی بجائے قرون وسطیٰ کی طرف راغب کیا۔ اس طرح فقہ جو کہ اجتہاد کا واحددروازہ تھا کو سختی سے بند کر دیا گیا جس کا اصل مقصد موجودہ اوربدلتے ہوئے حالات کو سمجھنا ، اس پر نظر ثانی کرنا اور ماخذ کی بنیاد پر نئی سوچ وبچار کو مناسب وزن دینا تھا ۔پس ہم آہنگی کا اسیر بن کراس قانونی ادارے یعنی اجتہاد کی بحالی پہلے سے کہیں زیادہ ناگزیر ہوگئی تھی۔

5.اتحاد و اتفاق کا فروغ:

فرقہ وارانہ افکار نےنہ صرف مسلم معاشرے کو تقسیم کیا بلکہ فطری اور آفاقی عقیدے کے طور پر اس کی حقیقی طاقت کو بھی ختم کردیا تھا۔ اصلاح پسندانہ نظریات نے ، جو شاہ ولی اللہ کی تحاریر میں انتہائی واضح اور غیر مبہم انداز میں موجود ہیں ، اعتدال پسندی اور رواداری کے ذریعےمسلم معاشرے کے ان سطحی اورواجبی اختلافات کو ممکنہ حد تک ختم کرنے کی کوشش کی جو یا توفقہ اور صوفی مکاتب کے نظریات کے حوالے سے تھے یا پھرشریعت و طریقت اور شیعہ وسنی تنازعہ کے مابین۔

اگرانیسویں اور بیسویں صدی پرنظر دوڑائی جائے تو ہم اس تاثر کو نظرانداز نہیں کرسکتے کہ اس دور کی تمام اصلاح پسند تحریکوں نے اپنی ذمہ داریوں کوعموماً پورا کیا جو شاید ان کی اپنی بقا کے لئے بھی ناگزیر تھا ۔شاہ ولی اللہ کے جامع اصلاح پسند نظریہ کے عظیم پیروکار جو جلد یا بدیر مختلف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

اصلاحی تحریکوں کے بانی تو بنے مگر اپنےوسیع و عریض علم کے باوجود اپنے راستے میں آنے والی تیز رفتار تبدیلیوں کی وسعت اور قطعی اہمیت کو سمجھنے کی کما حقہ سعی نہ کرسکے اور نہ ہی اس اصلاحی نظریہ کے دوررس اثرات کہ سمجھا جو انہیں وراثت میں ملا تھا۔ انہوں نے ایک فوری دباؤ کے نتیجے میں خود کو دور اندیش بنانے کی بجائےحال اور ماضی کے حقائق و واقعات تک محدود کرلیاتھاجس نے بالآخر اصلاحات اور حیات نو کو پارہ پارہ کرکے بہت سے شعبوں میں وسیع خلیج پیدا کردی۔

حاصل بحث:

آخر میں یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ مسلم معاشرے میں پائے جانے والے تنازعات متنازع اصلاح پسندافکار و نظریات کا براہ راست نتیجہ نہیں تھے بلکہ بنیادی طور پر یہ بعد کی محدودسوچ ، منتخب نظریات اور اصلاح پسند تحریکوں کے علمی نظریہ کی پیشرفت تھیں۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ ان اصلاح پسند تحریکوں نے مسلم طبقہ کو نہ صرف روشنی اور امیدکی کرن دکھائی بلکہ اداسی اور تاریکی کے اس عالم سے بھی باہر نکالا جو 1857 کےغدر کے بعد ان کا مقدر بن چکا تھا۔ اصلاح پسندوں کی کاوشوں کا ایک اور مثبت پہلو توہم پرستیوں کے خلاف جاری جنگ اور تعلیم کے فروغ کے لئے مستقل اور بلا معاوضہ جدوجہد تھی۔ جب کہ ان کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ وہ اصلاحی پیکیج کےمکمل نقطہ نظر کو اپنانے کے بجائے صرف اصلاح پسند نظریے پر ہی زور دیتے رہے۔ انہوں نے ان سماجی و سیاسی تبدیلیوں کے خلاف بھی دفاعی انداز اختیار کیا جوبڑھتے ہوئے برطانوی تسلط میں تیزی سے رونما ہورہی تھیں۔ ان کادوسرامنفی پہلو یہ تھا کہ انہوں نے ماخذ کی لغوی تشریحات کی طرف زیادہ توجہ دی اورصاف گوئی کے معاملات میں بھی کافر اور بدعتی جیسے مخالفانہ الفاظ کو آزادانہ استعمال کیا اور صحیفوں کے متن کے ذریعہ اپنے فیصلوں کی حمایت کی۔ اصلاح پسند نظریہ کا مقصد شریعت اور طریقت کے مابین فرق کو کم سے کم کرنا تھا ، لیکن بدقسمتی سے انیسویں صدی کے دوران چندمنتخب اصلاح پسندوں نے اس خلا کو کم کرنے کے امکانات کو چکنا چور کردیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے اسلامی تعلیمات کے برخلاف ایمان اور مادی دنیا کے مابین قابل ذکر خلیج پیدا کی۔ آخرمیں اس منظر نامہ کا دفاع کرنا بہت مشکل ہوجاتاہے کہ متنازع اصلاح پسند نظریات کے نتیجے میں مسلم معاشرے میں پائے جانے والے اختلافات خود اصلاح پسند سوچ کا براہ راست نتیجہ نہیں تھے بلکہ یہ بنیادی طور پر محدود نقطہ نظر ، منتخب اور طے شدہ نظریات اور علمی اصول کے تحت پیدا ہوئے تھے۔ در حقیقت اصلاحی نظریہ اور اصلاح پسند تحریکوں کوایک دوسرے سےالگ کرکے دیکھنے کی ضرورت ہےکیونکہ اسلام کے بنیادی ذرائع علم کی روشنی میں مسلمانوں کی زندگی اور تعلیم پرمثبت تنقید اور اسلام کی مثبت بحالی جیسے عوامل اصلاح پسند نظریات میں ضم ہوگئے جو کہ نہ صرف مسلم معاشرے کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

اصلاح ، بحالی اورتخلیق نو کرنے کی اہلیت رکھتےتھے بلکہ فرقہ وارانہ مذہبی اختلافات کو زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ بھی کرسکتے تھےاور یوں اتحاد اور وابستگی کا مشترکہ میدان مہیا کیا جاسکتا تھا۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] Anwar Muazzam, Indian Muslims Attempts at Self Definition. Vol. 2 (Delhi: Bluerose Publishers, 1985), p.114

[2] شیخ محمد اکرام، آب کوثر (لاہور:حق نواز پبلشرز، ۱۹۳۰)، صفحہ ۱۶۳

[3] Sheikh Muhammad Ikram, History of Muslim Civilization in India and Pakistan (Lahore: Qazi Publications, 1993), p.87

[4] C.S. Srinivasan, Akbar Electicism and Parliament of Religions. Encyclopaedic Survey of Islamic Culture. Ed. Muhammad Tahir. Vol. 9. (New Delhi: Anmol Publication pvt. Ltd., 1997), p.235.

[5] سید محمد میاں، علمائے ہند کا اشاندار ماضی (کراچی:مکتبہ رشیدیہ ۱۹۶۳) ، جلد سوم ،صفحہ ۳۸۷

[6] Qiyamuddin Ahmad, "Aspects of Education in Medieval India Particularly the Curriculum: Its Modification in Modern India" *Islam in Indian Studies and Commentaries, A Proceeding.* (New Delhi: Vikas Publishing House,1985), p.51

[7] Muhammad Ishaq, India's Contribution to the Study of Hadith Literature (Dacca: University of Dacca, 1955), pp.113-114.

[8] Barbara Daly Metcalf, Islamic Revival in British India: Deoband 1860-1900 (New York: Princeton, 1982), p.386.

[9] Tara Chand, Influence of Islam on Indian Culture (Allahabad: The Indian Press Ltd., 1946), p.115

[10] محمد میاں بحوالہ سابقہ، صفحہ ۳۹۰

[11] M. Abdul Haq Ansari, "The Life and Missions of Sheikh Ahmad Sirhindi" Islamic Culture 59, no.2 (1998), p.93.

[12] سید احتشام احمد ندوی، وحدت الجود اور وحدت الشہود کا تقابلی مطالعہ: حضرت مجدد کی تعلیمات کی روشنی میں (علی گڑھ:شعبہ تعلیمات اسلامی، ۲۰۰۵)، صفحہ ۱۷۱

[13] Murray T. Titus, Islam in India and Pakistan: Religious History of Islam in India and Pakistan (New Delhi: Coronet Book House, 2005), p.181

[14] John Obert Voll, Foundation of Renewal and Reform, Islamic Movements in the Eighteenth and Nineteenth Century (London: Oxford University Press, 1999), p.515

[15] Maryam Jameelah, Two Great Mujahidin of the Recent Past and their Struggle for Freedom against Foreign Rule: Sayyid Ahmad Shahid, Imam Shamil, A Great Mujaddid, of Russia (Delhi: Muhammad Yousaf Khan Publication, 1982), p.28

[16] کے ۔اے۔ نظامی، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات (علی گڑھ: شعبہ تعلیمات اسلامی، ۱۹۵۰)، صفحہ ۱۱۳

[17] محمد سرور، ارمغان شاہ ولی اللہ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیف کا مضبوط انتخاب (لاہور: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۷)، صفحہ، ۹۳

[18] G.N. Jalbani, Life of Shah Waliullah (Delhi: Kitab Bhavan, 1980), p.60

[19] Murray, op.cit., p.186

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 2No.2 2018

[20] A.K. Pasha, South India and the Gulf Trade and Diplomacy During the Late Eighteenth Century (Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers, 2003), p.85

[21] John Obert Voll, op.cit., p. 516

[22] Qamar Hasan, Muslims in India: Attitudes, Adjustments and Reactions (New Delhi: Northern Book Center, 1987), p.202

[23] Talat Sultan, "Education and Community Development in Pakistan: A Historical Analysis of Community School Relationship upto 1970" *South Asia Proceedings of International Seminar in Islamic History, Art and Culture on South Asia*. Lahore, 1995.

[24] کے ۔ اے نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۴)، صفحہ ۱۲۴۔

مزید دیکھیں

K.A. Nizami, Socio-Religious Movements in Indian Islam (Shimla: 1971), p. 89

[25] Asghar Ali Engineer, Islam and Muslims: A Critical Reassessment (Jaipur: Printwell Publishers, 1985), p. 163.

[26] ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، (نیو دہلی: اسلامک پبلیکیشنز ، ۱۹۸۹)، جلد سوم ،صفحہ ۸۷

[27] A.D. Muztar, Shah Waliullah, A Saint Scholar of Muslim India (Islamabad: National Commission on Historical and Cultural Research, 1979), p.235

[28] Christian W. Troll, Five Letter of Maulana Ilyas (1885-1944): The Founder of Tablighi Jamaat. Trans. Vol.II (New Delhi: EHESS Publishers, 1985), p.73.